تارکا پتہ الفضل قادیان   اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ   رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۳۵

الفضل قادیان بٹالہ   **THE ALFAZL QADIAN**   قیمت فی پرچہ ار

اخبار ہفتہ میں دو بار

الفضل

قادیان

ایڈیٹر:- غلام نبی ✣ اسسٹنٹ مہر محمد خان

نمبر ۳۳	مورخہ ۲۶ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء یوم جمعہ	مطابق ۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۲	جلد ۱۱

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بخیریت ہیں۔

۲۲ر اکتوبر کو حضرت نواب محمد علی خان صاحب و حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب کے اہلبیت مالیر کوٹلہ سے دارالامان میں واپس تشریف لے آئے ہیں۔

موسمی عوارض کا اثر قادیان میں پایا جاتا ہے عام طور پر بخار اور بچوں میں کسی قدر خسرے کی شکایت ہے احباب دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالےٰ فضل اور رحم فرمائے

احمدیہ ہوسٹل لاہور کے جو طلباء تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ واپس چلے گئے ہیں۔ مولوی عبد القدیر صاحب بی۔ اے۔ انسپکٹر حلقہ تبلیغ ضلع مین پوری آگرہ سے ۲۴ر اکتوبر کو وارد دارالامان ہوئے ✣

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا

ضلع متھرا میں اسلام کی عظیم الشان فتح

آریوں کے ایجنٹ کی بدزبانیاں

نومسلموں کو زدوکوب کیا گیا

موضع آنور جو ضلع متھرا میں ملکانوں کا اہم ترین گاؤں ہے۔ اور جو ضلع متھرا میں سب سے پہلے مرتد ہو گیا تھا۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ کہ اس کے فضل سے سب سے زیادہ ملکانے جن کی تعداد ۵۰۰ کے قریب ہے۔ ۱۷ر ۱۸ر ماہ حال کو امیر المجاہدین احمدیہ قادیان کے ہاتھ پر شدھی سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس سے تحریک شدھی کو ضلع متھرا میں سخت نقصان پہنچا ہے۔ کیونکہ یہ گاؤں آریوں کی نقل و حرکت کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آریوں نے اس موت کے پیالے کو ٹالنے کے لئے سر توڑ کوشش کی۔ اور رائے بہا۔ گوبردھن۔ جیتی پورہ اور گنھولی کے لوگوں کو جمع کرکے ملکانوں کو مرعوب

کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہماری طرف سے جانے والوں کی تعداد ۲۰ سے زاید نہ تھی۔ لیکن مخالفین جو باہر سے آئے ہوئے تھے۔ اُن کا مجمع ۲۰۰ سے زاید تھا۔ ۱۷ / ۱۸ کی درمیانی رات کو واپس ہونیوالے ملکانوں کو پیٹا گیا مخالفین مسجد سے باہر کھڑے ہو کر گالی گلوچ کرتے رہے۔ مسجد میں اینٹ پتھر بھی پھینکے دوسرے دن یعنی ۱۸ تاریخ کو مسمی بنبتا نمبردار جو کہ گاؤں میں آریوں کا تنخواہ دار ایجنٹ مشہور ہے۔ مسجد میں آیا۔ اور واپس شدہ ملکانوں کو نہایت اشتعال انگیز لہجہ میں سخت گالیاں دیں۔ گویا اس کے اندر کسی آریہ مہاشہ کا بھوت داخل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کی رپورٹ ہے۔ کہ مرتدین کا مجمع آنور میں پہلے سے بھی زیادہ ہو رہا ہے۔ اور مسمی بھجنا اور مختار جو مسلمان ہو چکے ہیں۔ ان دونو کو باندھ کر خوب زدو کوب کیا گیا۔ ہمارے مبلغ بھی نہایت خطرہ میں ہیں۔ بھجنا اور مختار نے تھانہ میں رپورٹ کر دی ہے۔ چونکہ آریوں نے سخت بے حیائی اور جھوٹ سے کام لے کر مرتدین کی واپسی کے متعلق ہمیشہ انکار کیا ہے۔ اس لیئے جو لوگ دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ ان کے موقع پر متعدد فوٹو بھی لیئے گئے۔ جو خواہشمند مسلمانوں کو درخواست پر بھیجے جا سکتے ہیں ؛

خاکسار چوہدری فتح محمد خان سیال ایم۔ اے۔ امیر المجاہدین احمدیہ آگرہ

نوٹ:۔ جنگجو اور مکار سنیاسی کو چاہیئے۔ کہ اپنے چیلوں کو ایسی مفسدانہ اور امن شکن حرکات سے باز رکھے۔ اور خواہ مخواہ شور مچا کر کہ مسلمان فسادی ہیں پبلک کو دھوکہ نہ دے ؛

بغرض تکمیل تعلیم ایک احمدی گریجوایٹ کی ولایت کو روانگی

ملک محمد اسمٰعیل صاحب بی۔ ایس۔ سی جو جناب ڈاکٹر الہٰی بخش صاحب مرحوم کے مخلص اور ہونہار فرزند ہیں اور جنہوں نے میدان ارتداد میں بھی نہایت قابلیت اور اخلاص و سرگرمی سے کام کیا تھا۔ اور جو ہندو یونیورسٹی بنارس کے ایک ممتاز گریجوایٹ ہیں اور سال رواں کے امتحان بی۔ ایس۔ سی۔ میں اول رہے ہیں۔ اُن کو بہار گورنمنٹ نے ڈھائی سو پونڈ سالانہ کا وظیفہ چار سال کے لئے بدیں غرض عطا کیا ہے۔ کہ وہ ولایت جائیں۔ اور وہاں سے چار سال کی تعلیم کے بعد لندن یونیورسٹی کے سند یافتہ ویٹرینری سرجن بن کر آئیں۔ ملک محمد اسمٰعیل صاحب پہلے مسلمان طالب علم ہیں۔ جو ہندوستان سے طب حیوانات کی اعلےٰ تعلیم پانے کے لئے سرکاری وظیفہ پر ولایت جا رہے ہیں۔ ہم تہ دل سے اُن کی کامیابی کے متمنی ہیں ؛

سائیکلوں کے متعلق ضروری اعلان

جن احباب نے سائیکل انسداد فتنہ ارتداد کے محکمہ میں بھیجے ہیں۔ براہ مہربانی اپنے نام اور مفصل پتہ سے اطلاع دیں۔ تا سائیکلوں کا جائزہ لیا جا سکے بعض سائیکل براہ راست آگرہ بھیجے گئے ہیں اور بعض قادیان پہنچے ہیں۔ اصحاب معیاد وقف سے بھی مطلع کریں۔ کہ کتنے عرصہ کے واسطے سائیکل بھیجا ہے۔

خاکسار۔ مرزا بشیر احمد۔ ناظر انسداد ارتداد قادیان

۶۶ کس داخل سلسلہ احمدیہ

پچھلے دنوں خاکسار پریم کوٹ حافظ آباد۔ مانگٹ۔ وزیر آباد گجرات۔ شادیوال۔ گوبیکے سعد اللہ پور۔ لالہ موسے۔ گوجرانوالہ۔ مرالی والہ وغیرہ مقامات میں بغرض تبلیغ گیا۔ اور موجودہ سفر گوجرات۔ رجل پور۔ سیالکوٹ۔ تلونڈی۔ نارووال گھٹالیاں کا ہے۔ اس سفر اور پہلے سفر میں خدا کے فضل سے ۱۷ اشخاص نے بیعت کی۔ اور اس سے پہلے سفر یعنی فیض اللہ چک وغیرہ مقامات میں ۵۹ اشخاص بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اور یہ سب ۶۶ کس ہوئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ غلام رسول۔ راجیکی

استجابت دعا

ایک صاحب حضرت خلیفۃ المسیح کو لکھتے ہیں۔

جناب عالی۔ عرصہ تقریباً آٹھ سال کا ہوا۔ جب کمترین کی شادی ہوئی تھی۔ مگر اللہ تعالےٰ کی حکمت کہ اس عرصہ میں کمترین کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آنحضور کی خدمت میں عموماً دعا کے لئے عرض کرتا رہا۔ اور آنحضور نے جلسہ سالانہ میں تقریر فرماتے وقت فرمایا تھا۔ کہ جس مطلب کیلئے دعا کرنی ہو۔ اوسی صفت سے اللہ تعالےٰ کو پکارنا چاہیئے۔ چنانچہ کمترین اور میری اہلیہ آنحضور کی خادمہ اس پر کاربند رہے۔ اب اللہ تعالےٰ کے فضل سے کمترین کو ایک لڑکی عطا کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا ہی بچہ ہے۔ حمل ہونے سے چند روز پیشتر ایک دن میری اہلیہ نے توجہ کی۔ تو اس نے رویا میں دیکھا۔ کہ ان کو حمل ہو گیا ہے۔ اور لڑکی تولد ہوئی ہے۔ چنانچہ پورا یقین ہو گیا تھا۔ کہ اب ضرور فضل ایزد باری تعالیٰ ہونیوالا ہے۔ میری بیوی امیر بیگم شیخ مظفر احمد خاں احمدی ہیڈ کلرک توپخانہ کی حقیقی ہمشیرہ ہے۔ اور وہ میرے چچازاد بھائی ہیں۔ وہ بھی اپنی ہمشیرہ اور میرے متعلق عموماً دعا کرتے رہے ہیں ؛

اب معروض ہوں۔ کہ مولودہ مسعودہ کے حق میں حضور انور دعائے جان درازی اور حصول علم دینیات فرمادیں اور نیز یہ کہ مولود مسعود کو اللہ تعالےٰ حضرت مسیح موعود فداہ امی و ابی کے مقدس تعلیم پر چلنے والی اور خادم دین بنا دے۔ آمین ثم آمین ؛

مولود مسعود کا نام بھی آنحضور مقرر فرمادیں۔ تاکہ مبارک ہو ؛ آنحضور کا ادنےٰ خادم

رشید احمد احمدی پٹواری دوکان شیخ برکت علی سوداگر بانس منٹگمری

اطلاع

ان احباب کی خدمت میں بذریعہ اخبار اطلاع دیجاتی ہے۔ جنکی خدمت میں دار التبلیغ احمدیہ آگرہ سے خطوط روانہ ہو چکے ہیں۔ کہ وہ اپنے حساب کو بہت ہی جلد بیباق کریں۔ کیونکہ بار بار ان کو خطوط لکھنے سے زاید ٹکٹوں کا خرچ ہوتا ہے۔ جس سے انجمن کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر احباب اس اطلاع کے بعد بھی غور نہ کرینگے۔ تو ان کے نام فرداً فرداً اخبار میں بمعہ رقموں کے مشتہر کر دیا جائے گا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

یوم جمعہ۔ قادیان دارالامان۔ ۲۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء

جماعت احمدیہ پر بہتان عظیم

احمدیوں کی عظیم الشان دینی خدمات پر حاسدوں کے دلوں میں جلن

پیروان حضرت مرزا صاحب اور دیگر مسلمانوں میں فرق

جماعت احمدیہ باوجود ایک چھوٹی سی اور غریب جماعت ہونے کے تمام مسلمانانِ عالم کے مقابلہ میں دین اسلام کے لئے جس ایثار اور قربانی جس سرگرمی اور جوش سے کام کر رہی ہے۔ اس نے جہاں دردمندان اسلام کی نظروں میں اس کی خاص قدر و منزلت پیدا کر دی ہے۔ وہاں حاسدان سیاہ باطن مخالفین کو حیران و ششدر کر دیا ہے۔ جو کہ جماعت احمدیہ کی دینی خدمات کو اس کی قوت اور طاقت سے بہت بڑھا ہوا دیکھکر عجیب قسم کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے۔ اور اس کی نسبت ایسے ایسے خیالات دوڑا رہے ہیں۔ جو سراسر باطل اور قطعاً بے بنیاد ہیں۔ اگرچہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے ہماری جماعت نے جو کچھ کیا۔ اور جو کر رہی ہے۔ اسے ہم اس سے بہت کم سمجھتے ہیں۔ جو کچھ کہ ہمیں کرنا چاہئے۔ اور جس کی ہمارے دل میں تڑپ ہے۔ تاہم وہ چونکہ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ جن میں بڑے بڑے دولتمند اور رئیس بھی ہیں۔ جن میں حکمران اور صاحب سیاست بھی ہیں۔ بےنظیر کام ہے۔ اس لئے اسے دیکھکر ان کے حیران اور پریشان ہو جانے پر ہمیں کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے ہیں۔ سن رہے ہیں۔ اور پڑھ رہے ہیں۔ کہ دنیا کے دور دراز ممالک میں اگر اعلائے کلمۃ اللہ کر رہے ہیں۔ تو اسی غریب اور بیکس جماعت کے افراد کر رہے ہیں۔ اگر دنیا کی عظیم الشان سلطنت انگلستیہ کے مرکز لنڈن میں خانۂ خدا تعمیر کرنے کی توفیق کسی کو ملی ہے۔ تو اسی مفلس جماعت کو ملی ہے۔ اگر دنیا کے مشہور شہر اور جرمنی کے دارالسلطنت برلن میں مسجد بنانے کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ تو اسی جماعت نے رکھی ہے۔ اور نئی دنیا کے نہایت مشہور شہر شکاگو میں عالیشان مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ تو اسی جماعت نے کی ہے۔ اسی طرح دنیا کے دیگر بڑے بڑے ممالک میں بھی اسی جماعت کے تبلیغی مرکز قائم ہو رہے ہیں۔ اور صداقت کے متلاشی اور حق کے دلدادہ ان کے ذریعہ اسلامی جھنڈے کے نیچے آ رہے ہیں۔ پھر ہندوستان میں جس سرگرمی اور کوشش سے احمدی جماعت مخالفین اسلام کا مقابلہ کر رہی ہے۔ اور جس قدر اس کو کامیابی ہو رہی ہے۔ وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے ؎

جب وہ لوگ جن کے دل میں احمدیت کی جلن اور حسد ہے۔ ایک طرف ان عظیم الشان کارناموں کو دیکھتے ہیں۔ اور حق پسند و صداقت شعار لوگوں کو ان سے متاثر پاتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہماری قلت تعداد پر۔ ہماری غربت پر۔ ہماری مفلسی پر۔ ہماری بےسروسامانی پر اور ہماری کمزوری پر نظر کرتے ہیں۔ تو وہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور ان کے دماغ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی۔ کہ ان حالات اور ان مشکلات میں جماعت احمدیہ کس طرح اور کیونکر ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دے سکتی ہے۔ اگر یہ لوگ عقل و فکر سے کام لیتے۔ اپنے اسلاف کے کارناموں پر نظر کرتے۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ جس طرح قرن اول میں مسلمانوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلام بن کر بےسروسامانی کی حالت میں حیرت انگیز کارنامے کئے تھے۔ اسی طرح جماعت احمدیہ کو بھی رسول عربی کے مظہر اتم حضرت مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہو کر دین اسلام کی بےنظیر اور حیرت انگیز خدمت کرنے کی توفیق نصیب ہو رہی ہے لیکن چونکہ ان لوگوں میں روحانیت نہیں رہی۔ اور حقانیت سے بالکل دور ہو چکے ہیں۔ اور ان کی نظر صرف مادیات تک محدود ہو چکی ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ کے کارناموں کو دیکھکر بجائے حضرت مرزا صاحب کی قوت قدسی کا اعتراف کرنے اور آپ کو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ ماننے اور مسلمانوں میں وہی روح پیدا کر دینے والا قرار دینے کے جو قرون اولےٰ کے مسلمانوں میں تھی۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ جو بالکل بےسروپا ہیں۔ اور جن سے ان کی نفسانیت اظہر من الشمس ہو رہی ہے ؎

برلن میں جماعت احمدیہ کی مستورات کے چندہ سے عظیم الشان مسجد تعمیر کرنے کی بنیاد کیا رکھی گئی کہ ایسے لوگوں کے قلوب پر بجلی گر پڑی۔ اور جن خیالات کو یہ لوگ پوشیدہ پوشیدہ پھیلاتے تھے ان کو علی الاعلان ظاہر کرنے لگ گئے۔ چنانچہ اسی موقع پر جرمنی میں رہنے والے مسلمانوں نے ہمارے خلاف یہ اعلان کیا۔ کہ ہم دراصل انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ اور ان کے مفاد اور اغراض کو دوسرے ممالک میں مستحکم کرنے کے لئے اشاعت اسلام کے پردہ میں کام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس بہتان اور افتراء کی تردید امام جماعت احمدیہ نے اپنی ایک تحریر میں نہایت وضاحت کے ساتھ فرما دی ہے۔ [illegible] کو پڑھنے کے بعد ہر [illegible]

کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے مسلمان کہلانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو ہماری مخالفت میں اس قدر اندھے ہو رہے ہیں۔ کہ انہوں نے صداقت اور راستی کو بالکل بالائے طاق رکھدیا ہے۔ اور وہ ہمارے خلاف بہتان اور افترا کی گندی سے گندی نجاست پر منہ مارنا دلپسند شغل سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص عبد الغفار صاحب خیری ہیں جنہوں نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کے زمیندار میں "جماعت احمدیہ اور اشاعت اسلام" کے عنوان سے ایک مضمون شایع کرایا ہے۔ جسمیں وہ لکھتے ہیں:—

"اکثر احباب احمدیوں کے کام کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ اور اکثر ان کے کام کو مشتبہ نظر سے دیکھتے اور کہتے تھے۔ کہ ان کے پاس اس قدر روپیہ کہاں سے آگیا۔ کہ نہ صرف ہند میں دفاتر کھول رہے ہیں بلکہ بیرون ہند مثلاً لنڈن۔ جرمنی وغیرہ میں مشن بھیج رہے ہیں۔ اور مسجدیں بنوا رہے ہیں۔ واقعی یہ سوال معنی خیز ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ متواتر چیخ پکار کے باوجود جماعت اسلامیہ برلن کو جس کے بانی ایک ہندی بزرگ مولوی عبد الجبار صاحب الخیری دہلوی ہیں۔ صرف ایک ہزار اور کچھ روپیہ کی مدد حیدر آباد دکن سے اور ایک سو ساٹھ کی امداد بصورت کتب دہلی سے کی گئی۔ اور دس روپیہ بہار سے آئے جو اب تک امانت رکھے ہوئے ہیں۔ ادھر جمعیۃ العلماء ہند کی استدعاؤں کے باوجود رقم مطلوبہ برائے انسداد فتنہ ارتداد کا عشر عشیر بھی بہم نہ پہنچ سکا۔ تو احمدی مشنوں کے پاس روپے کی ریل پیل ضرور سوء ظن کا باعث ہے"

ان سطور کا ایک ایک لفظ ہمارے اس بیان کی تصدیق کر رہا ہے۔ جو ہم نے اس مضمون کی ابتدا میں لکھا ہے۔ اور ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ راقم سطور اور اس کے ہم خیال جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی دینی ایثار اور [illegible] کو دیکھکر حیران اور فکرمند ہو گئے ہیں [illegible] کے سمجھنے سے قاصر اور انکے [illegible] معذور ہیں۔ کہ احمدیوں جیسی غریب اور مفلس جماعت جو کیا بلحاظ اپنی تعداد اور کیا بلحاظ اپنی مالی حالت کے مسلمانان عالم کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ کیونکر نہ صرف ہند میں بلکہ بیرون ہند میں بھی تبلیغی دفتر کھول رہی اور عظیم الشان مساجد تعمیر کر رہی ہے۔ اور احمدی مشنوں کے پاس روپیہ کی ریل پیل ہے۔ حالانکہ جماعت اسلامیہ لنڈن کے بانی جو کروڑوں مسلمانوں کی مدد اور تائید اپنے ساتھ رکھتے ہیں مسلسل اور متواتر چیخ و پکار کے باوجود اس قدر روپیہ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ کہ آرام و آسائش سے برلن میں زندگی بسر کر سکیں۔ اور پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمام ہندوستان کے علماء کی جمعیۃ باوجود بیشمار استدعائیں کرنے کے فتنہ ارتداد کے انسداد کے لئے مطلوبہ رقم کا عشر عشیر بھی بہم نہیں پہنچا سکی۔ پس جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں میں یہ جو حیرت انگیز فرق اور پریشان کن امتیاز ہے۔ اس کی کوئی وجہ ضرور ہے

اس امر میں ہم بھی مضمون نویس صاحب کے خیال کے ساتھ متفق ہیں۔ کہ جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں میں جو یہ فرق ہے۔ اس کی کوئی وجہ ضرور ہے۔ ورنہ یہ (ہو) نہیں سکتا۔ کہ ایک غریب اور چھوٹی سی کمزور جماعت تبلیغی مساعی میں کروڑہا مسلمانوں سے گوئے سبقت لے جائے اشاعت اسلام کے لئے جہاں امرا اور سربرآوردہ مسلمانوں کے خزانوں سے ایک کوڑی بھی نہ نکلتی ہو۔ وہاں مفلس اور کنگال احمدی اپنے پیٹ کاٹ کر احمدی مشنوں کے لئے بالفاظ مضمون نگار روپے کی ریل پیل کر دیں۔ مگر معاف فرمایا جائے۔ اس کی وجہ وہ نہیں اور ہرگز نہیں۔ جو مضمون نویس کے سیاہ دل میں آئی ہے۔ اور جسکی بنیاد اس نے ایک رسالہ موسومہ "فرقہ احمدیہ انگریزی شہنشاہیت کا ہیراول اور اسلام کیلئے خطرہ عظیم" پر رکھی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ وہ نور ایمان اور محبت اسلام ہے۔ جو حضرت مرزا صاحب نے اپنے پیرووں کے دل میں پیدا کر کے اشاعت اور حفاظت اسلام کے لئے انہیں اس قدر پرجوش بنا دیا ہے۔ کہ وہ اپنے اموال تو کیا اپنی جانیں بھی اسکے لئے دے دینا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ پس گو احمدی غریب ہیں مفلس ہیں۔ نادار ہیں۔ اور آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ مگر چونکہ حضرت مرزا صاحب کو قبول کر کے انہوں نے اقرار کیا ہے۔ کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کرینگے اور اس اقرار پر مرتے دم تک قائم رہنا اپنے لئے نجات اخروی کا باعث سمجھتے ہیں۔ اسلئے ایسے لوگوں سے ان کا مقابلہ کرنا جو گو کروڑوں ہیں۔ اور جن کے پاس مال و منال کی کمی نہیں۔ مگر ان کے دل میں اسلام کا درد نہیں اسلام کی الفت نہیں۔ اسلام کا فکر نہیں ہے سخت نادانی ہے۔ کجا ایک برگزیدۂ خدا کی قائم کردہ جماعت جو ہر روز صداقت اسلام کے زندہ نشانات دیکھتی ہے۔ اور کجا وہ لوگ جو کہلاتے تو مسلمان ہیں۔ مگر ان کے دل اسلام کی حقانیت سے منکر ہیں۔ پھر کجا ایک جری اللہ فی حلل الانبیاء کی بنائی ہوئی جماعت جسکے ہاتھ میں ادیان باطل کو کچلنے اور اسلام کو غالب کرنے کا حربہ موجود ہے۔ اور کجا وہ لوگ جو اپنے عقائد کی معقولیت کو بھی ثابت کرنیکی قدرت نہیں رکھتے۔ پھر کجا ایک دین کے لئے اپنا سب کچھ نثار کر دینے والے کے پیرو۔ اور کجا وہ لوگ جنہیں اسلام کے لئے ایک پیسہ خرچ کرنا بھی دوبھر ہے ان دو گروہوں کا آپس میں مقابلہ کرنا کسی ایسے شخص کے لئے جس کا دل نور صداقت سے خالی ہو۔ اور جو تعصب اور حسد کا پتلا ہو۔ ہرگز مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔ ہاں حق پسند اور صداقت شعار لوگوں کو ضرور فائدہ دے سکتا ہے۔ اور انہیں معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ چھوٹی سی جماعت جو خدمت اسلام میں کروڑہا لوگوں سے سبقت لیجا رہی ہے۔ اور جسکا اقرار مخالفین بھی کر رہے ہیں۔ اسکی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہے۔ کہ اس جماعت کے دل میں اسلام کا ایسا درد ہے۔ جس سے دوسروں کے دل خالی ہیں۔ اور انکو اسلام کا اسقدر فکر ہے۔ جس سے دوسرے بالکل لاپرواہ ہیں۔ اور یہ حالت اس انسان نے انہیں پیدا کی ہے جسکے وہ پیرو ہیں یعنی حضرت مرزا صاحب۔

ہم امید کرتے ہیں۔ کہ عبد الغفار صاحب کی وہ جاہلانہ اور متعصبانہ خامہ فرسائی جسکے متعلق ہم یہ مضمون لکھ رہے ہیں۔ ۔۔۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا خطاب

کالجوں کے احمدی طلباء سے

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ دسہرہ کی تعطیلات پر لاہور کے مختلف کالجوں کے طلباء دارالامان آئے۔ انھوں نے ۲۰ر اکتوبر کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال میں بزرگان ملت اور دیگر احباب کو شاندار ٹی پارٹی دی اس تقریب پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل تقریر فرمائی :۔

میرے بعض عزیزوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اس موقع پر تقریر کروں لیکن تقریر کے لغوی معنے قرار پر دلالت کرتے ہیں۔ بلکہ قرار دینے پر دلالت کرتے ہیں (گو اصل معنے استعمال میں اور لئے جاتے ہیں) اور قرار تب ہی کوئی کسی کو دے سکتا ہے جب پہلے خود اسے قرار ہوتا ہے۔ لیکن اسوقت میں

جسمانی اور ذہنی طور پر قرار

نہیں پاتا۔ کہ تقریر کرسکوں۔ جسمانی قرار تو اسلئے نہیں کہ مجھے جو حرارت ہو جایا کرتی ہے وہ اسوقت شروع ہو گئی ہے۔ اور ذہنی قرار اسلئے نہیں کہ جس موقع پر بولنے کے لئے کہا گیا ہے وہ ہمارے ملک اور قوم کے دستور کے خلاف ہے۔ اور اس بات کا میرے دماغ پر بہت بڑا اثر ہے۔

اسمیں شبہ نہیں کہ جس قدر انسان ترقی کرتا جاتا ہے اسکی عقل تیز ہوتی جاتی ہے وہ رسوم اور رواج کو چھوڑتا جاتا اور ان سے بالا ہوتا جاتا ہے۔ مگر اسمیں بھی شبہ نہیں۔ کہ

بعض رسوم میں اعلیٰ اخلاق

ہوتے ہیں۔ اور وہ رسوم باطنی اخلاق کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ ان اخلاقی جذبات کے اظہار کی رسومات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی جگہ کے رہنے والے ہوں وہ میزبان ہوتے ہیں۔ اور جو باہر سے آئیں وہ مہمان ہوتے ہیں۔ اور ان ظاہری علامتوں میں سے جو اس خلق کے اظہار کے لئے مقرر ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں

بہترین تصویری

زبان میں ہیں۔ ایک یہ ہے۔ کہ میزبان دعوت دے اور مہمان دعوت کھائے۔ مگر یہاں ایسے عجیب طریق سے بلایا گیا ہے کہ یہاں مہمان میزبان بن گئے ہیں۔ اور میزبان مہمان ہو گئے ہیں اسکے متعلق اگر مجھے ایسے وقت میں اطلاع نہ دی جاتی۔ کہ میں سمجھتا اگر میں انکار کروں گا تو دعوت دینے والوں کو تکلیف ہوگی اور انکو نقصان اٹھانا پڑیگا تو میں انکار کر دیتا۔ مگر مجھے پہلے معلوم نہ ہوا بلکہ یہ معلوم تھا کہ مدرسہ احمدیہ کے طلباء دعوت کرنیوالے ہیں۔ یہ بعد میں معلوم ہوا کہ ان سے سمجھوتہ کر لیا گیا ہے۔ میں نے خیال کیا۔ اگر اسوقت انکار کروں گا تو دعوت کا انتظام کرنیوالوں کی طبیعتوں پر بوجھل اور گراں گزریگا۔ اور چونکہ طلباء میں پارٹی فیلنگ زیادہ پائی جاتی ہے اسلئے وہ سمجھیں گے۔ کہ ہمنے دعوت کی تھی اسلئے قبول نہ کیگئی۔ اگر کوئی اور کرتا تو قبول ہو جاتی جسطرح غربا سمجھ لیتے ہیں۔ کہ

ہم غریب ہیں

اسلئے ہماری دعوت منظور نہیں کی جاتی۔ ایکدفعہ ایک غریب نے مجھے دعوت کے لئے کہا۔ اسکی ایسی حالت تھی کہ اسکے ہاں سے کھانا کھانا طبیعت پر بہت گراں معلوم ہوتا تھا۔ اسلئے میں ٹالتا رہا۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ اس سے اسکی طبیعت میں ملال پیدا ہونے لگا ہے تو میں نے دعوت قبول کر لی۔ پس ایسے آدمی کی دعوت اگر منظور نہ کی جائے تو خواہ اسکے لئے کتنی ہی معقول وجہ ہو۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ میری غربت کی وجہ سے منظور نہیں کی گئی۔ اور اگر کسی امیر کی دعوت رد کی جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ کوئی معقول وجہ ہوگی۔ اسی طرح مجھے

طلباء کے ابتلاء کا ڈر

تھا۔ کہ اگر میں نے انکار کر دیا تو کہیں گے کوئی بڑا آدمی دعوت کرتا تو مان لیتے مگر ہماری نہ مانی۔ اسوجہ سے میں نے اس دعوت کو قبول تو کر لیا لیکن درحقیقت یہ جو ناشتہ کا وقت تھا اسوقت مجھے یہی خیال آ رہا تھا۔ اور ہر ایک لقمہ اور چاء کا گھونٹ پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ کہ نہ ستا۔ نہ ستا۔ یعنی یہ ناشتہ ذرا سے تغیر کے ساتھ اپنی حقیقت ظاہر کر رہا تھا۔

میرے نزدیک مہمان کو

میزبان کی دعوت کرنیکا حق

ایک ہی موقعہ پر ہے۔ اور وہ سزا کے طور پر۔ کہ مہمان جائے اور لوگوں کو حق سنائے مگر وہ سننے کے لئے نہ آئیں۔ پھر وہ انکی دعوت کرے اور انہیں کھانا کھلا کر بتائے۔ کہ دیکھو تم حق سننے کے لئے نہ آئے مگر کھانے کیلئے آ گئے۔ بس صرف یہی ایک موقعہ ہے۔ جب میزبان کو مجرم کرنے کے لئے مہمان اسکی دعوت کر سکتا ہے۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ ملک و قوم کے دستور اور رسوم اثر رکھتی ہیں۔ اور خواہ کوئی انسان کسی قدر بڑھ جائے۔

رسوم اور اخلاق

سے تعلق رکھنے والی باتوں سے بالا نہیں ہو سکتا انکا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ایکدفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر گوہ (سوسمار) کا گوشت لایا گیا۔ مگر آپ نے نہ کھایا۔ ایک صحابی نے پوچھا۔ یارسول اللہ کیا یہ حرام ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے پوچھا پھر آپ نے کھایا کیوں نہیں۔ فرمایا ہمارے ہاں اسکے کھانے کا رواج نہیں ہے۔

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رسوم کو مٹانے کیلئے آئے تھے وہ بھی اس

رواج کا لحاظ

کرتے میں جو گوہ کے متعلق پایا جاتا تھا۔ بات یہ ہے کہ انبیاء

ان رسوم کو مٹاتے ہیں جو لوگوں کے لئے قید اور مصیبت کا باعث ہوں۔ نہ انکو جو اخلاق فاضلہ ہوں۔ اور چونکہ یہ بھی اخلاق فاضلہ کے خلاف ہے کہ جو چیز وہ لوگ استعمال نہ کرتے تھے اسکو استعمال کیا جاتا۔ اسلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے استعمال نہ کیا۔ کیونکہ اسکا استعمال لوگوں کی طبائع پر گراں گزرتا۔ تو بعض عادات اور رسوم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ

مہمان کو مہمان بنانا چاہیئے

اور میزبان کو میزبان بننا چاہیئے۔ مگر اس دعوت میں اسکے خلاف کیا گیا ہے جو نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

یہ نصیحت میں نے اب اسلئے کی ہے۔ کہ اگر پہلے کہتا تو طلباء سمجھتے ہمنے ایک کام جو شوق سے کیا تھا اسے رد کر دیا گیا۔ اس خیال سے میں دعوت میں آگیا۔ گو میرے لئے ہر قدم بلکہ ہر لقمہ تکلیف دہ تھا۔ پس یاد رکھو۔ کہ ہمارے ملک میں جو یہ اخلاقی رسم ہے اسکی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیئے۔

یورپ میں یہ بات نہیں

ہے۔ وہاں تو لوگ ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں۔ اور اپنے خیالات لوگوں تک پہنچانیکے لئے انکی دعوتیں کرتے ہیں۔ مگر وہاں تو یہ بھی رواج ہے کہ اگر کسی کا بیٹا یا بیٹی آئے تو وہ بھی ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں۔ اور ماں باپ پوچھتے ہیں کیا کل تم کو فرصت ہو گی کہ تمہاری دعوت کریں۔ پھر یہی نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی گھروں میں اپنے کھانیکا خرچ خود ادا کرتے ہیں۔ ایک دوست نے سنایا۔ ایک چھوٹی لڑکی دو کان پر گئی اور اپنی کچھ نقدی کہیں بھول گئی۔ پھر وہ رونے لگی اور اسکی حالت ایسی ہو گئی کہ گویا اسے بخار ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا کیوں روتی ہو۔ کہنے لگی میری نقدی کھوئی گئی ہے اب میں کھانا کہاں سے کھاؤنگی۔ میں نے کہا اپنے گھر سے کھانا۔ کہنے لگی گھر میں ہر ہفتہ میں اسقدر رقم ادا کرتی ہوں تب کھانا ملتا ہے۔ تو وہاں کے اور اخلاق ہیں اور مشرقی اخلاق اور ہیں)۔

ہمیں اپنے اخلاق چھوڑنے نہیں چاہئیں۔ کیونکہ یہ مشرقی اخلاق سب کے اعلیٰ ہیں۔

اس کے بعد میں۔

چند اور نصیحتیں

کرتا ہوں۔ تاکہ جو کوئی فائدہ اٹھانا چاہے۔ اٹھالے۔ یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھو۔ کہ کوئی قوم قوم نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ اپنی عادات۔ اپنے اخلاق۔ اور اپنی رسومات میں دوسروں سے ممتاز نہ ہو۔ خاص اخلاق اور اپنی عادات کا اسکے اردگرد ایسا حلقہ ہونا چاہیئے جو اسکے لئے

حفاظت کی دیوار

کا کام دے۔ اور اس حلقہ میں رہنے والے لوگ باہر والوں سے الگ تھلگ معلوم ہوں۔ کیا جب ریل کے سفر میں یا کسی اور مجمع میں کوئی ہندو ملتا ہے تو تم اسے فوراً نہیں پہچان لیتے کہ یہ ہندو ہے۔ ضرور پہچان لیتے ہو سوائے شاذ و نادر کے۔ اسکی وجہ کیا ہے۔ یہ کہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے ایک قسم کی علیحدگی ہے۔ جس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ فلاں ہندو ہے۔ اسی طرح ہندو ایک مسلمان کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے حالانکہ وہ ہندو کبھی دہریہ ہوتا ہے۔ اور وہ مسلمان بھی دہریہ ہوتا ہے۔ مگر ہندو کو ایک ہندو جس کشش سے ملے گا مسلمان سے نہیں ملے گا۔ اسی طرح مسلمان اس مسلمان سے جس رنگ میں ملے گا ہندو سے نہیں ملے گا۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عقاید اور خیالات کی وجہ سے ایک ہندو ہندو کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور ایک مسلمان مسلمان کی طرف۔ کیونکہ ایک دہریہ مسلمان مسلمانوں سے لگاؤ رکھتا ہے۔ اور ایک دہریہ ہندو ہندوؤں سے وابستہ ہوتا ہے جسطرح یہ اپنے اپنے لوگوں سے مل سکتے ہیں دوسروں سے نہیں مل سکتے۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ اسکی وجہ وہ عادات اور رسوم ہیں جو ہندو اور مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ پس

ہر قوم اپنے گرد ایک حلقہ بنا لیتی ہے

وہ لوگ جنھوں نے علم النفس پڑھا ہے اور اسکے متعلق گہری تحقیقات سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر انسان اپنے اردگرد حلقہ رکھتا ہے اور جسطرح سورج کے اردگرد شعاعوں سے گھیرا پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح

انسان کے گرد حلقہ

پیدا ہو جاتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کے اثرات کو پرے ہٹاتا ہے۔ اور اپنے اثرات دوسرے پر ڈالتا ہے۔ یہ حلقہ جسطرح افراد کا ہوتا ہے اسی طرح قومیں بھی اپنے اردگرد حلقہ رکھتی ہیں۔ اور جو لوگ روحانیت میں ترقی کر جاتے ہیں۔ اور انکی نظریں تیز ہو جاتی ہیں انکو یہ حلقہ نظر بھی آجاتا ہے۔ یا خدا تعالیٰ دکھا دیتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نظر آیا۔ گندے اور ناپاک آدمی سے کالے رنگ کا حلقہ پیدا ہوتا ہے۔ اور نیک اور پارسا ہوتے ہیں اُن سے سفید روشنی نکلتی ہے۔ اور ہر انسان کی طاقت کے مطابق پھیلتی اور اثر کرتی ہے۔ کسی کے گرد گز بھر کا حلقہ ہوتا ہے۔ کسی کا اس سے زیادہ اور کسی کا اس سے بھی زیادہ۔ یہ حلقے دوسروں پر اثرات ڈالتے ہیں۔ ایک دفعہ

ایک بہائی عورت

مجھے ملنے کے لئے آئی۔ جو ایک احمدی کی بیوی تھی۔ وہ اپنے عقائد اور خیالات میں بہت جوشیلی تھی۔ میں نے اس کی گفتگو کرتے وقت محسوس کیا۔ کہ جو حلقہ میرے جسم سے نکل رہا تھا وہ اسکے حلقہ سے جا کر ٹکراتا تھا۔ اور وہ اُسے بہت انکار کر رہا تھا کہ اسے اپنے اندر داخل ہونے دے۔ اس موقع پر مجھے یہ بات نمایاں طور پر محسوس ہوئی۔ اور اسوقت مجھے اسکے لئے خاص توجہ کرنی پڑی۔ پھر اسکے حلقہ نے میرے حلقہ کو داخل ہونے کا راستہ دیدیا۔ تو ہر انسان سے ایک قسم کی روشنی نکلتی ہے جو دوسرے کی روشنی پر اثر کرتی ہے پھر جسکی زبردست ہوتی ہے۔ وہ دوسرے کی روشنی کے حلقہ کو پھاڑ کر اندر داخل ہو جاتی ہے۔ یہی حالت قوم کی ہوتی ہے۔

ماسٹر مبارک علی صاحب بی۔ اے جو جرمنی میں تبلیغ کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کئی دفعہ لکھا۔ کہ مجھے

کفر کا مسئلہ

سمجھ میں نہیں آتا۔ گو حضرت صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس پر میرا ایمان ہے۔ اور میں اس کو مانتا ہوں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ سارے مسلمان کہلانے والے کافر کیونکر ہو گئے اگرچہ ان کا یہ خیال ہی غلط تھا۔ اور یہ فقرہ بھی غلط ہے۔ جو انہوں نے استعمال کیا۔ کہ مسلمان کافر ہو گئے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے۔ سارے تندرست بیمار ہیں۔ کیونکہ ہم ہر ایک مسلمان کو مسلمان ہی کہتے ہیں۔ کافر نہیں کہتے ہاں اگر کسی میں کفر کی وجہ پیدا ہو جائے۔ تو اور بات ہے۔ غرض انہوں نے لکھا۔ اور میں نے بتایا۔ کہ ہم مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ بلکہ جو کافر ہیں۔ انکو کافر کہتے ہیں۔ ان کو ایک پروفیسر ملا۔ جو خواجہ کمال الدین صاحب کو بھی مل چکا تھا۔ اس نے پوچھا تمہارے سپیس کیا کیا امتیازات ہیں۔ ماسٹر صاحب لکھتے ہیں۔ میں نے اسے بتایا۔ کہ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں نقص آگیا تھا۔ اور وہ مسلمان نہیں رہے تھے۔ انکی اصلاح کے لئے حضرت مرزا صاحب آئے۔ اب مسلمان وہی ہو سکتا ہے۔ جو ان کی اصلاح یافتہ جماعت میں داخل ہو۔ مگر خواجہ صاحب یہ نہیں مانتے۔ یہ سن کر وہ پروفیسر کہنے لگا

تم ضرور جیتو گے

اور وہ [illegible] جائیں گے۔ کیونکہ کوئی قوم اسوقت تک محفوظ نہیں ہو سکتی۔ جب تک اپنے ارد گرد دائرہ نہیں بنا لیتی۔ اور جب اپنا علیحدہ دائرہ بنا لیتی ہے۔ تو اُسے ترقی کرنے اور بڑھنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ مگر دوسروں میں ملے رہنے سے یہ احساس نہیں پیدا ہوتا۔

اس نے یہ بھی کہا۔ کہ وہ لوگ جو دوسروں کے ساتھ ملا رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ کچھ عرصہ فائدہ اُٹھا لیں تو اٹھا لیں۔ مگر کامیاب نہیں ہونگے۔ کامیاب تم ہی ہو گے جنہوں نے اپنا الگ حلقہ بنایا ہے۔

اس گفتگو کو بیان کر کے ماسٹر مبارک علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اب مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق میری تسلی ہو گئی ہے۔ چونکہ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے کسی کو کسی بات سے تسلی ہوتی ہے۔ اور کسی کو کسی رنگ سے تو یہ بہت معقول بات ہے۔ کہ جب تک کسی قوم کا حلقہ نہ ہو۔ وہ ترقی نہیں کر سکتی۔ اور

بہترین حلقہ

اخلاق اور عادات کا حلقہ ہے۔ مسلمانوں میں سے لاکھوں انسان ایسے ہیں۔ جو اسلام کا ذرہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ پھر اگر وہ ہندو نہیں ہوتے۔ تو کیوں اپنی عادات کی وجہ سے۔ اسی طرح لاکھوں ہندو ہیں۔ جن میں ہندو مذہب کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ عادات کے اس حلقہ کی وجہ سے جو ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہی عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کا حال ہے۔ ہر قوم کے گرد ایک حلقہ ہوتا ہے۔ اور جب تک وہ قوم اس حلقہ کو مضبوط نہ کرتی رہے۔ قائم نہیں رہ سکتی۔ پس ہمارے لئے ضروری ہے۔ کہ اپنے اردگرد اخلاق کا حلقہ بنائیں۔ اور ایسے

اخلاق فاضلہ

پیدا کریں۔ جو دوسروں سے ہمیں ممتاز کر دیں۔ کیونکہ جب تک ہم میں اور دوسروں میں یہ امتیاز نہ ہو۔ ہم دنیا کے سامنے بحیثیت قوم کے نہیں جا سکتے۔ پس جس طرح ایک ہندو اور مسلمان کو شکل دیکھتے ہی لوگ معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان۔ اسی طرح ہر احمدی میں بھی ایسا امتیاز ہو۔ کہ دیکھنے والا فوراً اُسے

احمدی سمجھ لے

مگر کیا ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیا لوگ احمدیوں کو شکل دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔ بعض کو پہچان لیتے ہیں۔ مگر سب کو نہیں۔ ہندوؤں میں سے شاید کسی ایک آدھ کو کوئی نہ پہچان سکے۔ کہ یہ ہندو ہے مگر [illegible] کو پہچان لیتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کو اور اسی طرح مسلمانوں کو۔ مگر احمدیوں کو [illegible] طرح نہیں پہچان سکتے۔ کیونکہ احمدیوں کے اخلاق اور عادات میں دوسروں [illegible] کھلا کھلا امتیاز نہیں۔ کہ انہیں پہچان سکیں۔ پس چاہیئے کہ احمدی

ایسے اخلاق بنائیں۔ کہ فوراً پہچانے جا سکیں۔

میں اس کے متعلق تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ کہ شاید بعض پر گراں نہ گذرے۔ مگر مختصراً یہ بتا دیتا ہوں کہ بعض وقت لوگ معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ

فلاں شخص احمدی ہے

اور اگر تم کوشش کرو گے۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ کیسے اخلاق ہیں۔ جن کو دیکھکر لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ احمدی ہے۔ اس بارہ میں خوب مطالعہ کرو۔ اور پھر ایسے اخلاق پیدا کرو۔ ہر ایک احمدی جب اس طرح کریگا۔ تو احمدیوں کے الگ اور نمایاں اخلاق ہو جائینگے اور وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائینگے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ ہمارے اخلاق اسلامی اخلاق ہیں۔ اور ان لوگوں سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں سے اسلامی اخلاق علیحدہ ہو رہے ہیں ہو سکتا ہے۔ کہ ان میں بھی بعض لوگ ایسے ہوں۔ جن کو دیکھکر کسی کو دھوکہ لگ جائے۔ کہ یہ احمدی ہے۔ لیکن جب اپنے اردگرد اخلاقی حلقہ کو مضبوط کرو گے۔ تو ایسے لوگ تم میں آجائیں گے کیونکہ کثرت تمہاری ہو گی۔ اور ان کا دل تم میں ہی لگے گا۔ اور وہ تم میں جذب ہو جائیں گے۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں تم میں اور دوسرے لوگوں میں

نمایاں فرق

پیدا ہو جائیگا۔ کیونکہ تمہاری عادات۔ تمہاری رسوم اور [illegible] اخلاق اسلامی ہونگے۔ اور ان کے غیر اسلامی۔

اس بات کی تشریح کرنے کے لئے میں بعض ایسی باتیں لے لیتا ہوں۔ جن کے بیان کرنے میں حرج نہیں۔ اور دوسری چھوڑتا ہوں۔ مثلاً ایک احمدی

وقت پر نماز ادا کرنا

فرض سمجھتا ہے۔ مگر دوسر[illegible] سے اگر کوئی نماز پڑھتا بھی ہے۔ تو وہ یہ سوچتا رہتا ہے۔ کہ اس قسم کی طہارت ہو۔ ایسی جگہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک [illegible] ایسا نہیں کرے گا۔ بلکہ جب نماز قضا

ہونے کا ڈر ہوگا۔ تو جس حالت میں بھی ہوگا۔ پڑھ لے گا۔ اور میرے نزدیک اگر کوئی شخص سر سے لے کر پاؤں تک نجاست میں لتھڑا ہوا ہو۔ مگر نماز کا وقت جا رہا ہو۔ اور وہ نماز پڑھ لے۔ تو جائز ہے۔ کیونکہ

اصل نماز دل کی ہے

ظاہری حالت اگر درست رکھنے میں معذوری ہو۔ تو اس کی پروا نہیں کی جائے گی۔ دیکھو بیماری میں انسان جب کھڑا نہیں ہو سکتا یا بیٹھ نہیں سکتا۔ تو ظاہری حرکات کئے بغیر ہی نماز ادا کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ اور اس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نماز دراصل دل کی ہے۔ پس اگر کپڑے ناپاک ہوں۔ اور اگر یہی حالت ہو۔ کہ پاک نہ ہو سکتے ہوں تو یہ نہیں۔ کہ نماز پڑھنا منع ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں بھی فرض ہے۔ کہ نماز کیلئے کھڑا ہو جائے۔ مگر مسلمان ایسا نہیں کرتے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ یہاں

ایک دکن کے رئیس

آئے۔ میں نے ان کو نصیحت کی۔ کہ نماز پڑھا کریں۔ کہنے لگے گھر جا کر شروع کرونگا۔ میں نے کہا۔ یہ آپ کو کس طرح معلوم ہے۔ کہ گھر جا کر آپ کو نماز پڑھنے کا موقعہ ملیگا بھی یا نہیں۔ کہنے لگے۔ سفر میں چونکہ بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں۔ اسلئے کپڑے پاک نہیں رہ سکتے گھر جا کر پاک کر کے نماز شروع کرونگا۔ میں نے بتایا۔ اگر کوئی ایسی مجبوری ہو۔ تو بھی نماز ضرور پڑھنی چاہیئے۔ نماز کسی صورت میں بھی چھوڑی نہیں جا سکتی میں رات کے بارہ بجے تک ان سے باتیں کرتا رہا۔ ان پر اتنا اثر ہوا۔ کہ صبح کی نماز میں شامل ہوئے۔ اور نیند کی وجہ سے ان کی یہ حالت تھی۔ کہ ان کے ملازموں نے بتایا۔ اپنی جوتی پہننے کی بجائے اور جوتی پہن کر چلے گئے۔

تو جس طرح احمدی پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے [illegible] ہیں یہ

ایک علامت ہے

جس سے لوگ پہچان سکتے ہیں۔ کہ فلاں شخص احمدی ہے۔ اسی طرح [illegible] سے لوگ احمدیوں کو پہچان سکتے ہیں۔ اور جب احمدی اپنے اخلاق اور عادات اعلیٰ درجہ کے بنائیں گے۔ تو آہستہ آہستہ ایسا ہوگا۔ کہ ان کی

شکلوں پر اثر

پڑنا شروع ہو جائیگا۔ اگر ایک ہندو کا ہندوانہ لباس اتروا دیا جائے۔ اور وہ کوئی حرکت بھی نہ کرے۔ تو سو آدمی اگر اسے دیکھینگے۔ تو غالباً ۹۹ شکل ہی سے پہچان لیں گے۔ کہ یہ ہندو ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ اخلاق اور عادات سے شکلیں بدلتی رہتی اور ان پر اثر پڑتا رہتا ہے۔

شکاگو کا ایک پرنسپل

ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس کے طالب علمی کے زمانہ میں خیال کیا جاتا تھا۔ کہ وہ بہت اعلیٰ قابلیت کا انسان ہوگا۔ اور جب وہ امتحان میں کامیاب ہوا۔ تو ملک میں اس کی ایسی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ کہ وہ ایک کالج کا پروفیسر مقرر ہو گیا پھر پرنسپل بن گیا۔ مگر اس وقت وہ بالکل نالایق ثابت ہوا۔ کوئی رعب داب قایم نہ رکھ سکا۔ جب اس کی بہت بدنامی ہوئی۔ تو اس نے اپنے ایک دوست سے جو علم اخلاق کا ماہر تھا۔ مشورہ لیا۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اس نے کہا۔ تمہارے جبڑے کھلے رہتے ہیں۔ جو بے استقلالی اور کم ہمتی کی نشانی ہے۔ تم اپنے جبڑے بند رکھا کرو۔ اور چہرہ کو سخت بناؤ۔ اس نے اسی طرح کیا۔ میں نے اس کا اپنا بیان پڑھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ گو میں ایسا نہیں ہوں۔ مگر اب میں سارے امریکہ میں سخت گیر سمجھا جاتا ہوں۔ اور کالج کا انتظام بہت اعلےٰ درجہ کا ہو گیا ہے۔

تو اس طرح ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں اس [illegible] تفصیل [illegible] نہیں پڑوں گا۔ کہ کیوں ہو جاتا ہے یہ علمی بات ہے۔ جو بہت وقت چاہتی ہے۔ مگر ہوتا ہے۔ پس اگر تم اعلےٰ اخلاق [illegible] اچھے عادات بناؤ گے۔ تو ان کا اثر تمہارے چہروں پر ہوگا۔ جو

تم میں اور دوسروں میں امتیاز

قایم کر دیگا۔ پس اخلاق فاضلہ بنانا اور ان پر عمل کرنا قوم بننے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور تمہیں اس کے لئے خاص کوشش کرنی چاہیئے۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ

اخلاق فاضلہ کی نگرانی

کی کس قدر ضرورت ہے۔

یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھو۔ کہ ہر بات جس سے ہم بچتے ہیں۔ وہ حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ کچھ اور وجوہات ہوتی ہیں۔ جن کے باعث بچنا پڑتا ہے۔ کالج کے لڑکے عموماً اس بات کے متعلق جس سے انہیں کوئی روکے یہ پوچھتے ہیں۔ کیا یہ حرام ہے۔ ابھی میرے پاس شکایت پہنچی ہے۔ کہ کالجوں کے لڑکے اور خصوصاً قادیان سے جانے والے لڑکے سینما دیکھنے کے بہت شایق ہیں۔ اور جب ان کو روکا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں

کیا سینما دیکھنا حرام ہے

وہ یہ کہہ کر بڑے خوش ہوتے ہونگے۔ کہ ہم نے خوب پکڑا۔ اگر کہیگا حرام ہے۔ تو ہم کہینگے۔ یہ تو رسول کریم کے بعد کی چیز ہے۔ حرام کس نے کی۔ اور اگر کہیگا حرام نہیں۔ تو کہیں گے پھر دیکھنا کیوں منع ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ کیا تم وہی باتیں نہیں کرتے جو قرآن نے حرام قرار دی ہیں۔ اور باقی سب کچھ کر لیتے ہو۔ قرآن نے تو صرف چار چیزوں کو حرام ٹھیرایا ہے۔ شرک سے ذبح کیا ہوا جانور خون۔ سؤر۔ اور مردہ۔ مگر کتا اس میں شامل نہیں اور اگر کسی سے اس کے متعلق پوچھو گے۔ تو وہ یہی کہے گا۔ کہ اس کا کھانا منع ہے۔ حرام نہیں کہے گا۔ اگر وہ مغز اسلام سے واقف ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں انہی چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ باقی اشیاء جن کو استعمال نہیں کیا جاتا سنت کے لحاظ سے حرام ہیں۔ لیکن شرعی طور پر نہیں۔ پھر کیا کوئی کتے کا گوشت کھانے کے لئے تیار ہے۔ اسی طرح کوئی کہے۔ کیا چوہا حرام ہے۔ سارے قرآن میں اس کو حرام نہیں کہا گیا۔ لیکن اگر کوئی کہے میں لاؤں۔ تم کھاؤ گے

تو کیا تم کھالوگے۔ تو انسان حرام چیزوں کو ہی نہیں چھوڑتا
بلکہ اوروں کو بھی چھوڑتا ہے۔ سکھوں کی چونکہ کوئی شریعت
نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ فلاں بات کے متعلق کیا کرنا ہے
اسلئے وہ اس قسم کے سوالات کیا کرتے ہیں۔

ایک تعلیم یافتہ سکھ

ملتان کا جو بی۔ اے۔ اور وکیل تھا۔ مجھ سے پوچھنے لگا۔
آپ کے مذہب میں ختنہ کرانے کا جو حکم ہے اسکے متعلق
عورتیں کیا کریں۔ میں نے اسکی عقل کے مطابق اُسے یہ جواب دیا
کہ آپ کے مذہب میں ڈاڑھی مونچھیں رکھنا فرض ہے اسکے
متعلق عورتیں کیا کرتی ہیں۔ اس پر کہنے لگا مجھے سمجھ آگئی ہے۔
اسلام نے اس تفصیل کے ساتھ احکام بیان کر دیئے ہیں کہ
کوئی دقت پیش نہیں آتی اور نہ کسی الجھن میں انسان
پڑ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسکے دل میں کجی نہ ہو۔ شریعت
ایسی ناپاک چیزوں کو جنکی ناپاکی خود انسان معلوم کر سکتا
ہے چھوڑ دیتی ہے۔ کہ فطرت آپ انکے متعلق فیصلہ کرے
اور نام انکا لے دیتی ہے جنکو فطرت نجس نہیں قرار دے سکتی
اور عام طور پر یہ بتا دیتی ہے۔ جو چیز نجس ہے اسے
نہ کھاؤ۔

اسی طرح اور بھی ایسی باتیں ہیں جو حرام اور منع نہیں
کی گئیں مگر انکو کر نہیں سکتے۔ مثلاً قرآن کریم اور حدیث
میں کیا کسی نے پڑھا ہے۔ کہ جب کوئی کھانا کھائے تو اپنے
ہاتھ کہنیوں تک نہ بھرے اگر کوئی ایسا کرے اور اُسے
روکا جائے تو کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ

کہاں منع ہے

جو تم روکتے ہو۔ اسی طرح کیا تم پسند کرتے ہو۔ کہ جب تم کھانا
کھا رہے ہو تو تمہارا سارا منہ کھانے سے بھرا ہوا ہو اور
اس پر مکھیاں بیٹھی ہوں۔ ہرگز نہیں۔ مگر شریعت نے اسکو
کہاں منع کیا ہے۔ پس کئی ایسی باتیں ہیں جن سے ہم بچتے
ہیں مگر شریعت میں منع نہیں ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں
ایسی باتیں ہیں جنکو ہم ناپسند کرتے ہیں۔ مگر کہیں قرآن
اور حدیث میں ان کے متعلق نہیں لکھا۔ پس یہ سوال
ہی غلط ہے۔ کہ

فلاں چیز حرام ہے یا حلال

بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اصولاً اس میں مضرتیں ہیں یا نہیں
اور اسے خوبی کے لحاظ سے دیکھو۔ پھر فیصلہ کرو۔ جب ذرا
ذرا باتوں کیلئے چھان بین اور تحقیقات کی جاتی ہے تو
وہ باتیں جو قوم اور نسل پر اثر کرنیوالی ہوں اُن پر کیوں
غور نہ کیا جاوے۔ کئی لوگوں نے مجھے لکھا ہے کہ سینما
دیکھنے کے سب سے زیادہ شائق وہ لڑکے ہیں جو قادیان
سے آتے ہیں۔ انکو اس بات پر تعجب ہوگا مگر مجھے نہیں۔
چونکہ یہاں سینما ہوتا نہیں۔ اسلئے جب یہاں کے لڑکے
شہر میں جاتے ہیں۔ تو قدرتی طور پر اسکے دیکھنے کا انکو
شوق ہوگا۔ مذہبی طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان میں زیادہ
مذہبی احساس ہونا چاہیئے۔ مگر

طبعی طور پر

ان پر تعجب نہیں ہو سکتا۔ شہروں میں رہنے والے لوگوں نے
سینما دیکھا ہوتا ہے اسلئے ان کے لئے معمولی بات ہوتی ہے
مگر گاؤں کے لوگ شہروں میں جا کر اسے دیکھنے کی بڑی خواہش
کرینگے۔ ایک دفعہ میں چھوٹی عمر میں لاہور گیا تو میں نے سنا کہ
ایک کمپنی آئی ہوئی ہے اُسکا تماشہ سقوں تک نے اپنی
مشکیں بیچ بیچ کر دیکھا۔ تو یہ طبعی بات ہے مگر انکی طبعی
جذبات مذہبی جذبات کے ماتحت ہونے چاہئیں جنہیں وہ

مذہبی جذبات پر حاکم

بنا لیتے ہیں۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ گو طبعی تقاضے اور ہیں مگر
انکو قوم و مذہب اور جماعت کے فوائد کے ماتحت بنانا چاہیئے
دیکھو اگر کسیکو کوئی مارتا ہے تو اسے طبعی جذبات تو یہی
کہیں گے کہ وہ بھی اسے مارے۔ اور اگر کوئی گالی دیتا ہے تو وہ
بھی اسے گالی دے۔ مگر امن چاہتا ہے کہ وہ ایسا نہ کرے
اور اگر معاف نہیں کر سکتا تو عدالت میں جائے۔ اگر کوئی شخص
کسی سے لڑنے کیلئے آتا ہے تو جب تک اپنے آپکو بچانے کیلئے
مقابلہ کرنے پر مجبور نہ ہو جائے اسوقت اسے نہیں لڑنا
چاہیئے۔ ورنہ وہ بھی مجرم ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی کسیکی زمین
پر قبضہ کرتا ہے اور وہ اسے لٹھ مار دیتا ہے تو وہ بھی پکڑا جائیگا

اور مجرم قرار پائیگا۔ پس ہم مانتے ہیں کہ طبعی جذبات کے ماتحت
ایک شخص چاہتا ہے کہ سینما دیکھے۔ اور

سینما ایک دلچسپ چیز ہے

جسے میں نے بھی دیکھا ہے۔ اور کبھی کبھی دیکھنا منع نہیں۔ مگر
ایک دوست نے لکھا ہے کہ بعض لڑکے ایسے ہیں جو کہتے ہیں
کہ ہر فلم جو آئے اُسکا دیکھنا فرض ہے۔ اگر اسکو فرض سمجھا
جائے تو امریکہ میں تو لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو فلمیں ہی
تیار کرتے رہتے ہیں اور وہ تمہارے لیئے اسقدر فرض
تیار کر دینگے کہ مذہبی سنن اور نوافل کے ادا کرنے کا بھی
تمہیں وقت نہیں ملے گا۔ میں نے بتایا ہے کہ اگر کوئی
کبھی کبھی سینما دیکھنے کے لیئے چلا جائے یا اگر کوئی علمی
فلم آئے اور اُسے دیکھ لے تو دیکھ سکتا ہے۔ اور میں
سمجھتا ہوں کہ سینما اعلیٰ درجہ کی ایک نعمت ہے۔ مگر
اسکا بُرے طور پر استعمال کر کے اسے نقصان رساں بنا دیا
گیا ہے جیسے فونوگراف کے متعلق ہے۔ سینما کے ذریعہ
ایک جگہ کے نظارے دوسری جگہ کے لوگوں کو دکھائے جا سکتے
ہیں جن سے وہ کئی قسم کے فوائد اور سبق حاصل کر سکتے ہیں
مگر اسکو غلط طور پر استعمال کر کے خطرناک بنا دیا گیا ہے
شملہ میں ایک دفعہ سینما میں جنگ کی تصویریں [illegible]
تھے۔ مگر ایک دو نظارے دکھا کر پھر وہی ناچ وغیرہ
شروع کر دیتے ہیں۔ اسطرح اسکو خراب کر دیا گیا ہے گو
علمی لحاظ سے یہ بہت مفید چیز ہے اور میرا تو خیال ہے
کہ چھوٹا سا منگوا کر سکول میں رکھا دیا جائے جسمیں لڑکوں
کو دنیا کی نمائشوں کے حالات [illegible]
اور نظارے دکھائے جائیں۔ تو یہ ایک

بہترین ایجاد

ہے۔ مگر اسکا بدترین استعمال شروع کر دیا گیا ہے۔ پس میں
سینما کو بُرا نہیں کہتا۔ بلکہ اُن باتوں کو بُرا کہتا ہوں
جو اسمیں دکھائی جاتی ہیں۔ اگر یہ پوچھو کہ کیا سینما
حرام ہے تو میں کہوں گا حرام نہیں مگر بعض تصویریں
اس میں دکھائی جاتی ہیں اُنکو میں حرام کہوں گا۔ ایک
دفعہ ایک دوست نے سوال کیا۔ کہ ڈاڑھی کا اس

کیا تعلق ہے۔ میں نے اسکے جواب میں یہ نہ کہا کہ ڈاڑھی کا یہ تعلق ہے بلکہ یہ کہا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اسلام سے بڑا تعلق ہے۔ اسپر وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ تو کئی ایسی باتیں ہیں جو اپنی ذات سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں لیکن نسبتوں کے لحاظ سے تعلق رکھتی ہیں پس سینما حرام تو الگ رہا۔ ضروریات زندگی کیلئے لازمی ہے۔ اور اگر کوئی علمی باتیں اسمیں دکھائی جاتی ہیں۔ اور کوئی دیکھنے کیلئے نہیں جاتا تو میں کہونگا اسے زور دیکر لے جانا چاہیئے۔ مگر اس میں جو تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض کو میں حرام کہونگا بعض کو لغو اور بعض کو ضروری قرار دوں گا۔ یہ بات تم خود جانتے ہو۔ کہ آج کل کیسی تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ شروع شروع میں اچھی تھیں۔ علم ہیئت کے نظارے دکھائے جاتے تھے۔ چاند اور ستاروں کی حرکات دکھائی جاتی ہیں۔ جاپان اور روس کی جنگ کے نقشے ہوتے تھے۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے

حالت بہت بگڑ چکی ہے

اسلیئے ایسی تصویروں کا دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ پس میں یہ نصیحت کرتا ہوں۔ کہ ہر بات کو اس رنگ میں نہ دیکھو۔ کہ وہ حرام ہے یا حلال بلکہ ہر کام کرتے وقت تم یہ دیکھو۔ کہ

تم کس حالت میں ہو

اور یہ سمجھ لو تمہیں کیا کام کرنا ہے۔ تمہارے کندھوں پر کتنا بوجھ اور کتنی ذمہ واری ہے۔ تمہاری تعداد تھوڑی ہے۔ تمہارے پاس اموال نہیں۔ تمہیں سامان میسر نہیں۔ مگر تمہارا مقابلہ ساری دنیا کے ساتھ ہے۔ جو تمہارے خلاف ہر قسم کے ساز و سامان کے ساتھ کھڑی ہے اور تم نے دنیا کو وہ باتیں منوانی ہیں جنکا وہ انکار کر رہی ہے۔ اور نہ صرف وہی انکار کر رہی ہے۔ بلکہ مسلمان کہلانے والے بھی انکار کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں

کیا تمہارے لیئے ضروری نہیں

کہ تم اپنی طاقتوں کو اس طرح خرچ کرو۔ کہ ان کے بہتر سے بہتر نتائج پیدا ہو سکیں۔ دیکھو ایک چھوٹی چیز بڑی کے مقابلہ میں پہلے ہی بے اثر ہوتی ہے۔ اور اگر وہ بھی پھیل جائے تو اور بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہوا ہے۔ بندوق میں بند کر کے اس سے جانور مار لیا جاتا ہے۔ لیکن اتنی ہوا اگر کمرہ میں چھوڑ دی جائے تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مگر وہی ہوا پمپ سے جب بندوق میں یا ہوائی توپیں ہوتی ہیں ان میں بند کر دیجائے تو گو تھوڑی ہوتی ہے مگر اس سے بڑے بڑے کام لیئے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح اگر تم اپنی طاقتوں کو جمع کر کے ان ہی کام لوگے تو وہ کام دینگی۔ اور اگر انکو ادھر ادھر پھیلاؤ گے تو کچھ نہ ہوگا۔ پس

بہتر کاموں میں اپنے وقت لگاؤ

تم میں سے کئی ایسے ہونگے جو قرآن کریم کا ترجمہ نہ جانتے ہونگے۔ کئی ایسے ہونگے جو احادیث سے بے خبر ہونگے کئی ایسے ہونگے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی کتب نہیں پڑھی ہونگی۔ کئی ایسے ہونگے جو مخالفین کے اعتراضات کے جواب نہیں جانتے ہونگے۔ انکو اپنے اوقات ان باتوں میں لگانے چاہئیں۔ ابتو یہ حالت ہے کہ کئی طالب علم پامال شدہ اعتراضات کو سنکر گھبرا جاتے اور لکھتے ہیں کہ انکا ضرور جواب دینا چاہیئے۔ حالانکہ کئی بار انکا جواب دیا جا چکا ہوتا ہے۔ مگر انکی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے مثل ہے کہ ایک گیدڑ کا بچہ تھا۔ ایک دن جو تیز ہوا چلی تو وہ ماں سے کہنے لگا جب سے میں پیدا ہوا ہوں کبھی اس زور کی آندھی نہیں آئی۔ ماں نے کہا تجھے پیدا ہوئے ہی کتنا عرصہ ہوا ہے۔ اسطرح بعض طلباء ایسے ایسے اعتراض بڑی حیرانی اور پریشانی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ جن کے

بیسیوں دفعہ جواب شائع ہو چکے ہیں

اور وہ سمجھتے ہیں کہ آجتک کسی نے ایسے اعتراضات نہیں کیئے۔ احمدیہ ہوسٹل کے ہی ایک لڑکے نے اسی قسم کا ایک سوال لکھا تھا۔ حالانکہ کئی دفعہ اسکا جواب شائع ہو چکا۔

مگر جو سلسلہ کے لٹریچر کو دیکھتا ہی نہیں اُسے کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ مثلاً الفضل جائے اور اسے حقارت سے پرے پھینک دے۔ میرا کوئی مضمون جائے۔ اسے ادب کی وجہ سے پھینکے تو نہ مگر رکھ چھوڑے کہ پھر پڑھیں گے اور پھر پڑھنے کا موقع ہی نہ آئے تو اسے اعتراضات کے جواب کس طرح معلوم ہوں۔ اسکو تو سینما کے حالات معلوم ہوں گے کیونکہ وہاں جانا وہ اپنا فرض سمجھتا ہے۔ مگر یاد رکھو اس قسم کی باتیں

تمہارے فرائض میں داخل نہیں

بلکہ یہ عیسائیوں کے فرائض ہیں۔ انکو ادا کرنے دو۔ اور وہ تو اب اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ یورپ میں گاؤں اسلیئے اجڑنے لگ گئے ہیں کہ وہاں سینما نہیں ہوتے اور دیہاتوں کے لوگ شہروں میں جا رہے ہیں۔ بیشک تمہارے دلوں میں بھی سینما وغیرہ دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہوگا۔ اور تمہیں بھی جوش آتا ہوگا کہ دوسروں کی طرح تم ان باتوں میں حصہ لو۔ مگر یاد رکھو۔ ان سے بچنا ہی تمہارے لیئے بہتر ہے۔ دیکھو جب

مسٹر گاندھی کا شور

اٹھا۔ تو کوئی احمدیوں کے دلوں میں بھی جوش پیدا ہو گیا اور انکی ایسی حالت تھی جیسے منہ زور گھوڑے کے منہ میں لگام دیکر اسے زور سے روکا جائے۔ وہ سمجھتے تھے سوراج ایک پکا ہوا سیب ہے جسے دوسرے حاصل کرنے لگے ہیں۔ اسمیں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیئے۔ اور ہماری اس تعلیم کو کہ اس شورش میں حصہ نہ لو۔ اپنے لئے روک سمجھتے تھے۔ مگر اب تسلیم کیا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہم کہتے تھے وہی صحیح تھا۔ اور جو کچھ وہ کر رہے تھے غلطی تھی۔ چنانچہ صفائی کے ساتھ دوسرے لوگوں کی طرف سے تسلیم کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے وعدوں سے لیڈروں نے لوگوں کے دلوں میں ایسی امیدیں پیدا کر دیں جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی تھیں اور اسطرح وہ اب بددل ہو گئے ہیں۔ تو

سیاسی تحریکیں

جو بہت گہرا اثر رکھنے والی اور توجہ کو بہت زیادہ کھینچنے والی

ہوتی ہیں ان سے بھی ہمنے اپنے آدمیوں کو روکے رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایسی تحریکیں ساری توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور بعض دفعہ یہ جائز بھی ہوتی ہیں تو بھی ان سے روک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کسی کام کے لیئے جارہا ہو مگر راستہ میں کسی جائز چیز کو دیکھنے کیلئے ٹھہر جائے تو وقت پر نہ پہنچ سکے گا۔ اسی طرح جو شخص اور تحریکوں کی طرف متوجہ ہو جائیگا وہ

خدمت دین سے محروم

رہ جائیگا۔ تم لوگ اگر اور باتوں میں پڑ جاؤ گے تو تمہاری زندگی کا جو اصل مدعا ہے اُسے کس طرح پورا کرو گے۔ تمھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ تمھارے سامنے بہت بڑا کام ہے اور تمھارا مدعا نہایت عظیم الشان ہے۔ اگر اس بات کو تم یاد نہ رکھو گے۔ اور ہر وقت یہ تمھارے سامنے نہ رہیگی تو تم کچھ نہ کرسکو گے۔ پس

اپنے کام کو مدنظر رکھو

بیشک اس قسم کی باتیں ناجائز نہیں مگر اسکے لیئے موقعہ دیکھو اگر تم سنیما دیکھتے رہو اور مخالفین تیار ہو نہیں لگے رہیں تو تم انکا کسطرح مقابلہ کرسکو گے۔ بیسیوں ٹریکٹ آریوں کی طرف سے اور عیسائیوں کی طرف سے نکلتے ہیں اگر ابھی سے ان کے جواب دینے کی تیاری نہ کرو گے تو وہ کون لوگ ہوں گے جو جواب دینگے۔ پس ایک میری یہ نصیحت ہے کہ اپنے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرو اور ابھی سے اس کام کے لیئے تیاری کرو۔ اگر تم نے

مذہبی میدان میں کام

کرنا ہے تو کرنے سے پہلے اس کام کی تیاری میں لگجاؤ۔ کیونکہ آج فرصت کے جو لمحے تمھیں حاصل ہیں وہ کل نہ ہونگے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ ان لغو اور فضول باتوں کو جانے دو کہ فلاں چیز حرام ہے یا حلال اور ایسے کاموں میں اپنے اوقات صرف کرو کہ جو دین کے لیئے مفید ہوں۔ اس طور پر اگر تم اب تیاری نہ کرو گے تو بڑے ہو کر کچھ نہیں کرسکو گے۔ جو لڑکا بچپن میں تہجد پڑھنے کی عادت نہیں ڈالتا وہ بڑا ہو کر صبح کی نماز بھی نہیں پڑھے گا۔ ابھی سے اس تیاری میں لگ جاؤ۔ اور خصوصاً

قادیان سے جانیوالوں کو نصیحت

کرتا ہوں کہ اپنا اچھا نمونہ پیش کریں تاکہ دوسروں پر بُرا اثر نہ پڑے۔ یہاں سے ان کے جانے پر پتہ لگتا ہے کہ وہ یہاں جو نمازیں پڑھتے تھے دل سے پڑھتے تھے یا ڈر سے اگر وہاں جاکر نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ یہاں ڈر سے پڑھا کرتے تھے۔ چاہیئے کہ نماز کی پوری پوری پابندی اختیار کریں۔ یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھو۔

یہ میرا تجربہ ہے

اور میں نے سینکڑوں پر کرکے دیکھا ہے۔ کہ کوئی شخص خواہ کتنا بگڑ جائے مگر نماز کا پابند ہو تو بالآخر اُسکی اصلاح ہو جائے گی۔ اور اسے حالت درست بنانیکی توفیق مل جائیگی۔ لیکن بظاہر خواہ کوئی کتنا ہی اچھا ہو مگر نماز کا پابند نہ ہو تو وہ خراب ہو جائیگا۔ تم نماز کو ایسا ہی سمجھو جیسا کہ جہاز کے لیئے

لائف بوٹ

ہوتے ہیں۔ کبھی اسکو ضائع نہیں کرنا چاہیئے اور اسکی ادائیگی میں کبھی سستی نہ کرنی چاہیئے۔

اسکے بعد۔ میں یہ نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اخلاق فاضلہ کے بغیر کوئی مذہب قائم نہیں رہ سکتا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کالج میں داخل ہونیکے لیئے سکول میں داخل ہونیکی کیا ضرورت ہے۔ جبتک کوئی سکول میں نہ جائیگا۔ کالج میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح روحانیت میں ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جبتک اخلاق فاضلہ نہ ہوں۔ اگر یہ پوچھے کہ کیا اخلاق فاضلہ مذہب ہیں۔ تو میں کہونگا نہیں مگر مذہب کے لیئے پہلی سیڑھی ہیں جسکے بغیر کوئی مذہب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پس

اخلاق مذہب نہیں

مگر اخلاق کے بغیر مذہب حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں ان دونوں باتوں پر علیحدہ علیحدہ زور دیتا ہوں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بہت لوگوں کو دھوکا لگا ہوا ہے۔ کہ اخلاق مذہب ہے اور چونکہ اخلاقی تعلیم سب مذاہب میں پائی جاتی ہے ہندو بُدھ۔ عیسائی۔ مسلمان سب یہی کہتے ہیں۔ کہ چوری بُری ہے۔ جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے۔ لڑائی فساد نہیں کرنا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسلیئے وہ لوگ جو اخلاق کو مذہب قرار دیتے ہیں کہدیتے ہیں۔ یہ مختلف مذاہب آپس میں خواہ مخواہ جھگڑے پیدا کرتے ہیں۔ اخلاقی باتوں کو مان لینا کافی ہے مگر خوب یاد رکھو کہ اخلاق بالکل الگ چیز ہیں اور مذہب الگ۔ لیکن

اخلاق کے بغیر مذہب حاصل نہیں ہو سکتا

پس اخلاق کو اسلیئے ترک نہ کرو۔ اور نہ اسلیئے حقیر سمجھو کہ وہ مذہب نہیں۔ اور نہ یہ سمجھو کہ وہ مذہب کا حصہ ہیں۔ انکو اپنی اپنی جگہ سمجھو۔ اور اخلاق فاضلہ حاصل کرو تاکہ لوگ تمھاری باتوں سے متاثر ہوں۔ تمھاری گفتگو میں ایسی نرمی۔ محبت اور ہمدردی ہو۔ کہ تم ایک ممتاز درجہ رکھو۔ کیونکہ تم اس بات کے مدعی ہو کہ تمھیں سچا مذہب حاصل ہو گیا ہے۔ مگر مذہب تو اخلاق کے بعد حاصل ہوتا ہے اگر تمھارے اخلاق اعلیٰ نہیں تو یہ کسطرح سمجھ لیا جائے کہ تمھیں مذہب حاصل ہو گیا ہے۔ کوئی کہے میں ایف۔ ایس۔ سی میں پڑھتا ہوں مگر اس نے میٹرک پاس نہ کیا ہو تو کس طرح اسکی بات قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی میں اخلاقی عیب پائے جاتے ہیں تو دنیا کسطرح اسکی یہ بات ماننے کے لیئے تیار ہو سکتی ہے کہ اسے مذہب مل گیا ہے۔ پس تم اخلاق فاضلہ پیدا کرو ان کے بغیر نہ تم دوسروں کو تبلیغ کرسکتے ہو اور نہ خود روحانیت حاصل کرسکتے ہو۔ پھر جب تم کالجوں میں جاتے ہو تو تم پر

اور بھی کئی ذمہ واریاں

عائد ہوتی ہیں۔ ماں باپ تم پر اسلیئے روپیہ خرچ کرتے ہیں کہ تم تعلیم حاصل کرو۔ نہ کہ تماشے دیکھتے پھرو۔ ہر ایک مسلمان میں یہ غیرت ہونی چاہیئے کہ وہ ہر کام میں دوسروں سے اعلیٰ

اور میں کسی اچھی بات میں بھی مسلمانوں کو پیچھے نہیں دیکھنا چاہتا مگر ہماری جماعت کے لڑکے اسطرف توجہ نہیں کرتے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ پروفیسر ایک ہی ہوتا ہے لیکن ہندو لڑکے بڑھ جاتے ہیں اور مسلمان پیچھے رہجاتے ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ ایسے اعلیٰ طریق پر تعلیم حاصل کرو۔ کہ

کسی سے پیچھے نہ رہو

بلکہ اول رہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے مذہبی نوافل کو قربان کر کے تعلیم میں لگے رہو بلکہ یہ کہتا ہوں۔ کہ سنیما وغیرہ کو قربان کرکے اپنا وقت تعلیم میں لگاؤ۔ مگر اب یہ نہیں معلوم ہوتا کہ احمدی لڑکوں میں اسبات کی غیرت ہے کہ تعلیم میں دوسروں سے بڑھجائیں۔ حالانکہ کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی جبتک اسمیں یہ جذبہ نہ پایا جائے یہ طبعی مسئلہ ہے کہ کوئی چیز خواہ وہ نباتات میں سے ہو یا حیوانات میں سے۔ اگر اسمیں یہ احساس نہ ہو کہ مجھے دوسروں سے بڑھنا ہے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ ایک درخت کے پاس جاؤ جب وہ بیج پیدا کر رہا ہو اور دیکھو کہ کتنے بیج پیدا کرتا ہے۔ آم کے درخت اسقدر آموں کے بیج پیدا کرتے ہیں کہ اگر انکے مخالف سامان نہ ہوں تو ساری دنیا پر آم ہی آم پھیل جائیں۔ انکو بیشتر حصہ کو خدا تعالیٰ ضایع کردیتا ہے مگر اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ انہیں زندہ رہنے اور بڑھنے کی کسقدر خواہش ہے اور اسی خواہش کی وجہ سے آم کے درخت موجود رہتے ہیں۔ اسطرح انسان ایک کیڑہ سے بنتا ہے مگر ایک ایک انسان اسقدر کیڑے پیدا کر رہا کہ اگر وہ تلف نہ ہوتے تو دنیا میں صرف انسان ہی انسان نہ سما سکتے۔ تو ہر چیز میں یہ خواہش ہے۔ کہ

میں ہی میں رہوں

اور اسطرح وہ زندہ رہتی ہے۔ جسمیں یہ خواہش نہ ہو وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتی۔ پس تم میں قومی طور پر یہ خواہش ہونی چاہیئے کہ سب سے بڑھ جاؤ۔ جب تم میں یہ احساس پیدا ہوگا اس وقت تمھیں

زندہ رہنے کا استحقاق

پیدا ہوگا۔ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے اور ذرائع ہونگے جب کسی میں یہ جذبہ کمزور ہو جائے تو وہ ترقی نہیں کرسکتا پس تم میں یہ خواہش ہونی چاہیئے کہ سب سے بڑھ جاؤ۔ ورنہ تم ترقی نہیں کرسکوگے پھر میں تمھیں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں۔ کہ جو افسر مقرر ہوں کو انکی نگرانی گراں گزرتی ہے مگر خوش آیند نتایج پیدا کرتی ہے کیونکہ اسطرح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا ہونا چاہیئے۔ لوگ حریت اور آزادی چاہتے ہیں مگر آزادی وہی مفید ہوسکتی ہے جو حدود کے اندر ہو۔ اگر ایک شخص کپڑے پھاڑ کر پھینکدے اور ننگا کھڑا ہو کر کہے کہ یہ حریت ہے تو اسے حریت نہیں کہا جائیگا۔ بلکہ اسکا نام جنون رکھا جائیگا۔ تم اس قسم کی حریت کے پاس تک نہ جاؤ جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے اور

قانون کی پابندی کو فخر سمجھو

اگر کوئی قانون ناجائز ہے تو اُسے جائز ذرائع سے بدلوانے کی کوشش کرو۔ مگر جبتک وہ موجود ہے اُسکی پابندی کرو ایشیائی اور مغربی اقوام میں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے کہ ایشیائی لوگ قانون کی پابندی نہیں کرتے۔ لیکن مغربی لوگ کرتے ہیں۔ اور یہ نہایت ضروری امر ہے یہاں ہی ایک واقعہ ہوا۔ قاضی نے ایک فیصلہ کیا جسمیں ضرورت تھی کہ مجرم فوراً اپیل کرے یا جرمانہ ادا کرے۔ مگر جب یہ مقدمہ میرے پاس لائے۔ کہ گو یہ قانون میرا ہی بنایا ہوا ہے کہ ایک ہفتہ اپیل کے لیئے مہلت دیجائے لیکن اب کے موقع دو۔ اور آیندہ کے لیئے ان ان شرائط کو رکھدو کہ انکے ماتحت فوراً اپیل کی جائے۔ تو گو میرا اپنا بنایا ہوا قانون تھا مگر اسکا احترام بھی ضروری تھا۔ پس چاہیے تمھاری مرضی کے خلاف کوئی قانون ہو اسکی بھی پابندی کرو۔ اور اُسکو بدلنے کیلئے جائز طریق سے کوشش کرو۔

میں نے بتایا ہے کہ طبایع حریت چاہتی ہیں مگر دیکھو اس غلط حریت نے ہندو مسلمانوں کی کیا حالت بنادی ہے۔ اور وہ اکالیوں سے کس طرح ڈر رہے ہیں کہتے ہیں کوئی شخص سرائے میں اُترا اور بھٹیاری کو کھانا پکانے کے لیئے کہا۔ وہ کھانا پکا رہی تھی کہ کسی بات پر اسکو اس نے ناراض کردیا۔ بھٹیاری نے پکا پکا کھانا اُسکی جھولی میں ڈالدیا۔ جو ٹپکتا جارہا تھا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہنے لگا زبان کا رس ہے۔ اب اخباروں والے لکھتے ہیں کہ گورنمنٹ اکالیوں کو کیوں نہیں روکتی۔ مگر میں کہتا ہوں۔ وہ تو وہی کچھ کر رہے ہیں جو تم کہتے تھے یعنی

قانون کی خلاف ورزی

اب کئی جگہ اکالیوں نے مسجدیں گرادی ہیں۔ اذانیں دینے سے مسلمانوں کو روک دیا ہے۔ اور ایسے نظائر موجود ہیں۔ کہ مسلمانوں کی لڑکیاں بھگا کر لیجاتے ہیں۔ آگے جج ڈر کی وجہ سے ان کے خلاف فیصلہ نہیں کرسکتے۔ وہ کھلم کھلا آکر ہمیں مسلمانوں کی لڑکیاں بھگا کرلے جاتے اور جا کر اوروں سے بیاہ دیتے ہیں۔ انکو لالچ وغیرہ سے ورغلا لیتے ہیں اور چیف کورٹ تک نے انکے حق میں فیصلے دیئے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے قانون کے رعب مٹنے کا۔ تم ہمیشہ قانون کا ادب کرو اور اسکی پابندی ضروری سمجھو۔

یہ نصیحتیں ہیں۔ جو میں نے اسوقت تمھیں کی ہیں اور میری سب سے بڑی نصیحت تو یہی ہے۔ کہ

اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرو

کیونکہ اسکے بغیر کوئی عمل عمل صالح نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ کی اور اسکے رسولوں کی محبت جڑ ہے اعمال صالحہ کی۔ پس ہماری قوم کے جو اعلیٰ مقاصد ہیں اور جو اسے مدنظر رکھنے چاہئیں انمیں یہ تین محبتیں بھی ہیں (۱) اللہ تعالیٰ سے محبت (۲) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت (۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت۔ اگر انکی محبت ہماری قوم میں ہوگی تو وہ ہر قسم کی تباہیوں اور ہلاکتوں سے بچ جائیگی۔ مسلمانوں کی تباہی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے جذبات پیدا نہ کیئے مگر عیسائی بڑے زور سے یسوع کی محبت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ایک عیسائی نے گزشتہ ہفتہ ہی ایک کتاب واپس کی ہے جسپر اُسنے صرف یہ فقرہ لکھا۔ کہ چاہے کچھ ہو میں یسوع مسیح کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مصر جاتے ہوئے میرے ہمسفر جو بیرسٹر تھے۔ یہ تو وہ اسلام پر ہنسی اور تمسخر کرلیا کرتے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انہیں محبت تھی۔ آپ کے خلاف ایک لفظ بھی نہ سن سکتے تھے۔ اب سنا ہے انکو دہریت کے خیال جاتے رہے ہیں۔ میں نے انکو تبلیغ کی تھی۔ تو آیندہ نسلوں کیلئے یہ نہایت اہم سوال ہے۔ کہ ہم انہیں خدا تعالیٰ رسول اور مسیح موعود کی محبت پیدا کریں اسطرح احمدیت مضبوط ہو جائیگی۔ میں سمجھتا ہوں۔ میں نے کافی تقریر کرلی ہے اور میں سمجھتا ہوں اس سے زیادہ تمھارے لیئے بھی بوجھ ہوگا۔ اور میرے لیئے بھی۔ اسلئے ختم کرتا ہوں

باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر شائع ہوا